حاصلِ مطالعہ

(ضمیمہ ذکرِ حبیب)

وَرَفَعنا لَكَ ذِكرَكَ

اور ہم نے آپ کے نام کو دائمی رفعت و بلندی عطا کر دی ہے

حضور نبیِ آخر الزمان ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر

بے جا اعتراضات اور ان کے جوابات

(سیرۃ النبی ﷺ کا ایک گوشہ)

محمد بشیر ھرل

تشکر:

میں اپنے محسن علماء کرام، مولینا قاری حبیب الرحمن خلیق، فاضل مدینہ یونیورسٹی اور مولینا مفتی سعید احمد صاحب متخصص دارالعلوم کراچی و ایم اے عربی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، کا دلی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی علمی اور تحقیقی مصروفیات کے باوجود میری درخواست پر مضمون کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا اور تصحیح فرمائی۔ میں بار بار زحمت دیتا رہتا ہوں اور وہ بار بار مہربانی فرماتے رہتے ہیں

ساقیا! شرمندہ ام از لطف بے پایانِ تو ؎

تُو مرا پُر می دِھی، من باز خالی می دھم۔

(اے ساقی میں آپ کی بے پایاں مہربانیوں پر شرمندہ ہوں کہ آپ مجھے پیالہ بھر بھر کے دیتے ہیں لیکن میں پھر خالی کر کے آگے کر دیتا ہوں)

پیش لفظ

فلوریڈا امریکہ کے ایک غیر معروف چرچ کے پادری ٹیری جونز نے اولاً ۲۰۱۰ء میں قرآن پاک کے نسخے اکٹھے کیے اور آگ لگائی۔ اگر چہ بہت کم لوگ یہ واہیات کاروائی دیکھنے آئے اور اکثر اہم حکومتی عہدیداروں نے اس کی مذمت کی لیکن اس نے ٹی وی اور اخبارات میں خوب تشہیر کی جس سے مسلمانوں کے دل پوری دنیا میں مجروح ہوئے، احتجاج کیا گیا لیکن آزادیِ اظہار کے نام سے حکومت نے بے بسی کا اظہار کر دیا۔ اس بے عملی کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ اس نے Innocence Of Muslims نامی دل آزار فلم کی تیاری میں بے خوف ہو کر حصہ لیا اور ایک مصری عدالت نے نومبر ۲۰۱۲ء میں اسے سزائے موت سنا دی ہے۔ اب اس نے ۱۱ ستمبر ۲۰۱۳ء کو پھر قرآن حکیم کے نسخے جلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ امریکی صدر، مسز کلنٹن اور تمام عہدیداروں نے موثر الفاظ میں اس کی مذمت تو کی ہے لیکن عملی طور پر اس کا ہاتھ روکنے کا کوئی عزم سامنے نہیں آ رہا۔ بہانہ یہ ہے کہ آزادیِ رائے کا قانون اسے یہ حق دیتا ہے۔ حالیہ سالوں میں تواتر کے ساتھ دل آزار تحریریں، کارٹون اور فلم سامنے آنے سے مسلمانانِ عالم کے دلوں میں دکھ اور صدمے کی کیفیت ہے، اور آزادیِ اظہار کے نام پر ان کی حکومتوں کی بے عملی سے بعض لوگ ان حرکات کو "مغربی معاشرہ" کی اجتماعی جسارت سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اپنے بزرگوں اور بالخصوص دینی رہنماؤں کی بے ادبی سے تڑپ اٹھتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے۔ صحت مند دماغ ایسی حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن کوئی انسانی معاشرہ بیمار ذہنوں سے خالی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ گالی دینا دلیل کی شکست اور بے بسی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ حالیہ حرکات ایسی ہی ذہنیت کی عکاس ہیں۔ البتہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اعتراضات ہوتے آئے ہیں، اور ہمیں ان کی حقیقت سے بھی آگاہ رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں محبت میں کمی کرنے کی یورپین مہم ۸۰۰ء کے بعد شروع ہوئی اور مختلف انداز میں اب تک جاری ہے۔ آجکل بھی کفار کا مسئلہ یہی ہے کہ اسلام کی ابدیت اور عالمی اپیل کا تاثر زائل کرنے کی خاطر کرائے کے ضرورت مند لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے کارٹون اور فلمیں اور دل آزار تحریریں تخلیق کرواتے رہتے ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ مسلمان حقائق سے آگاہ رہیں۔

باسم اللہ الرحمٰن الرحیم

؎ وَاَحسَنَ مِنکَ لَم تَرَقَطُّ عَینی
وَ اَجمَلَ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّساءُ
خُلِقتَ مُبَرَّءً مِن کُلِّ عَیبٍ
کَاَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاءُ

میری آنکھوں نے کبھی آپ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا،
عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحبِ جمال نہیں جنا،
آپ ﷺ کو اس طرح ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا،
جیسے آپ کو آپکی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا ہو۔
صلی اللہ علیہ وسلم

(حضرت حسان بن ثابت)

حضورِ نبیِ آخرالزمان ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر

بے جا اعتراضات اور ان کے جوابات

تاریخ میں جتنے معروف فلسفی اور انبیاء گزرے ہیں سب کے ساتھ مزاحمت اور اعتراضات کا رویہ رکھا گیا، جیسے سقراط کو صرف اس لیے سزائے موت دے دی گئی کہ (۱) اس نے مروجہ خداؤں کا انکار کیا تھا، اور (۲) نئے دیوتاؤں کا تصور دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک نیا مذہب پیش کرنے پر جان سے گیا۔ عہدِ ارواح کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ اللہ نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ فألهمها فجورها و تقویها۔ یعنی ہم نے انسان کے دل میں برائی اور نیکی کا شعور ودیعت کیا ہوا ہے۔ اِس کو فطرت بتا دیتی ہے کہ یہ بات درست ہے اور یہ غلط۔ اس کے باوجود انبیاءِ کرام کے متعلق ہم جانتے ہی ہیں کہ اکثر کو جھٹلایا گیا اور ایسے ہی عذر لنگ پیش کیے گئے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت زکریاؑ، اور حضرت عیسیٰؑ، سب کو کیسی کیسی مزاحمت اور اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح آپؐ کی ذاتِ گرامی پر بھی اعتراضات آج شروع نہیں ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کیے جانے والے اعتراضات تین اقسام میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ آپ کی نبوت کے انکار کی خاطر خواہ مخواہ کے اعتراضات

۲۔ اسلام کو تشدد کا مذہب قرار دینے کا پروپیگنڈہ

۳۔ تعددِ ازدواج پر اعتراض

اس مضمون میں ان تینوں نوعیت کے اعتراضات اور اصل حقائق کا جائزہ لیا جائے گا۔

(ا) بعثت کے انکار کی خاطر خواہ مخواہ کے اعتراض:

بعثت کے بعد حضورﷺ سے دعوتِ توحید ملتے ہی کفارِ مکہ نے بھی مزاحمت کے علاوہ اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی لیکن خود ہی منہ کی کھاتے رہے۔ یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ حضرت محمدﷺ جھوٹ بات نہیں کہہ سکتے اور نہیں کہہ رہے ہیں سردارانِ مکہ نے آپ کی نبوت کا انکار محض اس وجہ سے کیا (ابوجہل نے بزبانِ خود دو صحابیوں کے روبرو یہ اقرار کیا) کہ اگر حضورﷺ کی بات تسلیم کرتے ہیں تو اطاعت کرنا پڑے گی جو اُن کی اکڑ کو برداشت نہ تھی۔ بس اِس انکار کے جواز کی خاطر بھی یہ عذر گھڑتے کبھی وہ اعتراض واغتے، چاہے کتنا ہی بودا کیوں نہ ہو۔ دراصل یہ لوگ سنجیدہ نہیں ہیں۔ ان کا مقصد محض استہزاء اوراعراض ہوتا ہے۔

ایمان لانے کا کہا گیا تو پہلے کہنے لگے "کیا ہم بھی بے وقوف لوگوں کی طرح ایمان لے آئیں؟" (بقرہ۔۱۳)

پھر کہا کہ اگر تمہیں آیات دے کر بھیج سکتا ہے تو خود ہمارے ساتھ اللہ کلام کیوں نہیں کرتا (بقرہ۔۱۱۸)۔

پھر حجت بازی کی کہ فرشتہ ہمارے اوپر کیوں نازل نہیں ہوتا (الحجر۔ ۷)۔

کبھی کہا لو لا انزل علیه ملک۔ (الانعام۔۸)۔ فوراً جواب آیا کہ اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا اورانہیں مہلت ہی نہ ملتی۔

پھر اعتراض آیا کہ جی ان پر یا ان کے ساتھ اللہ نے اپنی کوئی خاص نشانی کیوں نازل نہیں کی؟

کبھی کہتے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی کہانیاں سناتے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دے دیا "ہرگز نہیں، بلکہ ان لوگوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ پڑ گیا ہے۔ یہ اُس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائینگے" (مطففین۔۱۳)۔

کبھی کہتے اگر اللہ چاہتا تو ہم سرے سے شرک کا ارتکاب ہی نہ کرتے (انعام۔۱۴۸)۔

اُن کے بڑے بڑے لوگ کہنے لگے کہ آپ تو گمراہ ہو گئے ہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے لیس بی ضلاله، و لکنی رسول من رب العلمین۔ ارے میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ سارے جہانوں کے رب نے خود مجھے نمائندہ بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے (الاعراف۔۶۱)۔

کبھی کہتے کہ تم کیسے پیغمبر ہو جو ہمارے جیسے ہی آدمی ہو۔

کبھی کہا گیا کہ آپ کی باتیں کاہنوں جیسی ہیں، اور جب چیلنج کیا گیا کہ تمھیں جو اپنی قدرتِ زبان پر اتنا ناز ہے تو چلو تم ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ تو ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے (بقرہ۔۲۳)۔

پھر کہا ان کے پیروکار تو صرف غرباء ہیں لیکن جب حضرت ابوبکر جیسے تاجر کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ جیسے رئیس اور حضرت عمر فاروق جیسے سردار اسلام لے آئے تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔

جب گھر سے کوئی فرد آپ کی دعوت پر لبیک کہہ دیتا تو کہتے کہ یہ تو خاندانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

پھر کہا گیا کہ اقتدار کے بھوکے ہیں۔ لیکن جب دولت، رشتوں اور حکومت کی پیشکش آپؐ نے پائے حقارت سے ٹھکرا دی تو مجنون کہنا شروع کر دیا۔ اس خطرناک الزام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں صراحت فرما دی کہ "و ما صاحبکم بمجنون" تم لوگوں کے یہ ساتھی مجنون نہیں ہیں (التکویر۔۲۲)۔

اعتراضات کے لئے اُن کی دانست میں ایک بڑا ہتھیار اُن کے ہاتھ تب لگا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کے شرف سے نوازا۔ تسلیم کرنے کی بجائے تمسخر اڑاتے ہوئے جا کر بازار میں جا کر ابوبکر صدیقؓ کو کہنے لگے کچھ سنا تم نے! تمہارا دوست کہہ رہا ہے کہ بیت المقدس اور سارے آسمانوں کی رات کے ایک پہر میں سیر کر آیا ہوں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ابوبکرؓ بے ساختہ کہہ اٹھے کہ اگر محمدؐ نے یہ کہا ہے تو اللہ کی قسم سچ ہے۔ یہ کہا اور قیامت تک کے لئے صدیق کے اعزاز سے ملقب ہو گئے۔ اس پر گردنیں جھکا کر بڑبڑاتے ہوئے واپس ہوئے اور بالآخر آپ کی جان لینے کا فیصلہ کیا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ یثرب کو مدینۃ النبی بننے کے لیے منتخب فرما چکا تھا۔

ہجرت کے بعد کے دور میں دو بڑے اعتراضات سامنے آئے۔

پہلا اپنے متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح پر، جس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دے دیا اور اس کی تفصیل میں آگے جا کر بیان کروں گا۔ دوسرا رسم کبیسہ یعنی نسیئ کی تنسیخ پر۔ قبل از اسلام رواج تھا کہ ہر تین سال بعد ایک ماہ کا اضافہ کر کے تیرہ ماہ کا سال کر لیتے۔ قمری سال کو شمسی موسموں کے مطابق کرنے کے لئے تین سال بعد اس میں " کبیسہ " کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے تا کہ حج ہمیشہ ایک جیسے موسم میں آتا رہے اور وہ اُن زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی تھیں۔ (اس کو ہم لیپ کے سال میں ایک دن کے اضافہ کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں) ۔اس کے ساتھ ایک اور بڑی خرابی یہ پیدا ہو چکی تھی کہ کبھی کبھی جنگ وجدل، غارت گری یا خون کا انتقام لینے کی خاطر بھی کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے تھے۔ یہ نظامِ قدرت میں کھلی مداخلت تھی اور اس سے حج ۳۳ سال تک اپنی اصل تاریخ کی بجائے دوسرے دنوں میں آتا تھا اور صرف چونتیسویں سال میں ایک مرتبہ اپنی اصل تاریخ یعنی ذوالحج کی ۹ تاریخ کو آتا۔ سن ۱۰ھ میں سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۳۶ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نسی کو انما النسیٓءُ زیادۃ فی الکفر کہہ کر واضح الفاظ میں منسوخ کر دیا۔ اللہ نے بارہ مہینے ہی بنائے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ "ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض۔ یعنی اس سال حج کا وقت گردش کرتے کرتے ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے"۔ چنانچہ اب ہم ہمیشہ ۹ ذوالحج کو ہی حج کیا کریں گے اور وہ مختلف موسموں میں آیا کرے گا، کبھی سردیوں میں، کبھی بہار میں اور کبھی گرمیوں میں۔ نسی کی تنسیخ سے عرب سرداروں کی ایک بہت بڑی خود ساختہ سہولت ختم ہو گئی چنانچہ اس پر بہت لے دے ہوئی لیکن اس وقت تک مشرکوں کا زور ختم ہو چکا تھا اور تنسیخ برقرار رہی۔ اب قمری سال قانونِ قدرت کے مطابق ہمیشہ بارہ مہینوں کا ہی ہوا کرے گا۔

(حوالہ: تفہیم القرآن، تفسیر آیت نمبر ۳۶ سورۃ توبہ)۔

(۲) تشدد کا مذہب:

ایک الزام بہت کثرت سے لگایا جاتا ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے۔ تاریخ سے ناواقف معترض بنو قریظہ کے قتل کو اس سلسلہ کا ایک بڑا ثبوت بنا کر بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ دورانِ جنگ غداری کے مرتکب ہوئے اور ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کے ثالثی فیصلہ کے نتیجہ میں کیفرِ کردار کو پہنچے۔ جنگِ خندق سے بڑی آزمائش مسلمانوں پر اور کوئی نہیں آئی۔ سارا عرب دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ

آور ہو گیا تھا اور بنو قریظہ مدینہ میں بیٹھ کر حملہ آوروں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو آگے سے کھلے دشمن اور پیچھے سے ان غداروں کا سامنا تھا اور چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کی کیفیت کو قرآنِ حکیم سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۱۰ میں اس طرح بیان فرمایا ہے، "(یاد کرو وہ وقت) جب دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈولنے لگیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم خدا کی طرف طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے، اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیے گئے"۔ وہ تو اللہ بھلا کرے حضرت سلمان فارسی کا کہ خندق کی تجویز دی، اور حضرت نُعیم بن مسعودؓ کا کہ انہوں نے بنو قریظہ اور بنو غطفان کا گٹھ جوڑ توڑ دیا، ورنہ بنو قریظہ کی غداری سے مسلمانوں کا نہ جانے کیا حال ہو جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو نامراد واپس لوٹا دیا تو قدرتی طور پر ان غداروں کا احتساب لازم تھا۔ لیکن حضورؐ نے کوئی یک طرفہ کارروائی کرنے کی بجائے ان کے حلیف مسلمان قبیلہ کو اختیار دیا کہ اپنا کوئی معزز رکن ثالث مقرر کر کے ان کا فیصلہ کریں۔ اور اس طرح حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق ان کو سزا دی گئی۔

رسولِ اکرم کی ذات تو تھی ہی سراپا رحمت۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں واضح لفظوں میں فرمایا کہ: وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ (ہم نے تو آپ کو بھیجا ہی تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہے)۔ رسولِ اکرم کی زندگی کا مجموعی تاثر عفو، درگزر، محبت اور رحم کا ہے۔ اگر آپ تشدد کے داعی ہوتے تو آپ کے ساتھی آپ کے فدائی بن کے نہ رہتے۔ ایسے فدائی کہ پسینہ کا قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیتے۔ اگر نبیِ رحمتؐ تشدد پرور ہوتے تو تاریخِ آدم میں پہلی دفعہ ایسے جنگی احکام جاری کیوں فرماتے کہ عام فوجوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، خیانت اور دھوکا دہی نہ کرنا، تنہا شخص کو قتل نہ کرنا، کسے خادم، عورت، بوڑھے یا بچے کو قتل نہ کیا جائے، مقتولین کے اعضاءِ بدن نہ کاٹے جائیں (حالانکہ یہ عرب میں عام تھا)۔ گرجوں میں مقیم راہبوں کو نہ چھیڑنا، کھجور اور پھل دار درختوں اور فصلوں کو تباہ نہ کرنا اور کسی گھر کو نہ گرانا۔ بالخصوص بچوں کے قتل سے بار بار منع فرمایا۔ (مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور مغازی الواقدی) جب جنگِ بدر میں عتبہ کا نوعمر مسلمان بیٹا ابو حذیفہ باپ کے مقابلہ میں جانے پر بضد تھا تو آپ اُس کو اجازت دیتے

سے انکار نہ فرماتے۔ حکم ہے کہ جو میدانِ جنگ سے بھاگ جائے اسے جانے دیا جائے، جو ہتھیار رکھ دے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو اپنی عبادت میں مصروف ہو اسے نہ چھیڑا جائے۔ اگر کوئی بے گناہ غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تلوار اٹھانے کی اجازت ملی بھی تو ان الفاظ میں کہ جن پر ظلم روا رکھا جاتا رہا، اب اُن کو بھی تلوار اٹھانے کی اجازت ہے۔ کفارِ مکہ کے خلاف تلوار اُس وقت اٹھائی گئی جب چودہ سال تک مسلسل ظلم جبر اور تشدد، شہر بدری اور ملک بدری جیسی اذیتیں برداشت کرتے کرتے مسلمان تنگ آ گئے۔ اگر مسلمان متشدد ہوتے تو جو علاقے لڑائیوں کے بعد فتح ہوئے وہاں کے لوگ نفرت کی بجائے محبت نہ کرنے لگتے اور جوق در جوق مسلمان ہونا شروع نہ کر دیتے۔ یہ اسلامی تعلیمات کا حسن ہے جو انسانی شرف کا لحاظ سکھاتا اور مہذب معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اس برق رفتاری سے پھیلا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ آج غیر مسلم اقوام جنگوں میں ناقابلِ وضاحت بڑے بڑے جرائم کر رہی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں سے صرف ۱۲۶ دن جنگی مہمات میں گزرے، وہ بھی اکثر مشرکوں کی طرف سے شروع کی گئیں۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہی مدینہ پہنچنے کے ۹ یا ۱۰ ماہ بعد اُس وقت ملی جب مشرکینِ مکہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ غزوات کی کل تعداد ۲۷ ستائیس ہے اور جو فوجی دستے بھجوائے گئے ان کی تعداد ۶۰ ساٹھ تک پہنچتی ہے (بعض روایات میں کل مہمات ۸۷ نہیں بلکہ ۸۲ ہیں) اس کے باوجود ان غزوات اور مہمات میں انسانی جنگوں کی تاریخ میں سب سے کم خون بہایا گیا اور ان تمام غزوات اور مہمات میں فریقین کے مقتولین کی کل تعداد صرف ۱۰۱۸ ایک ہزار اٹھارہ تک پہنچتی ہے اور مسلمان شہدا کی تعداد ۲۵۹ ہے۔ اس کے مقابلہ میں غیر مسلم اقوام کی باہم جنگوں میں وکی پیڈیا کے مطابق ہلاکتوں کی تفصیل ملاحظہ کریں:

پہلی جنگِ عظیم	:	ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اموات اور دو کروڑ زخمی و اپاہج
دوسری جنگِ عظیم	:	چھ کروڑ ہلاکتیں۔ (اس وقت کی عالمی آبادی کا چوتھا حصہ)
ناگاساکی اور ہیروشیما:		دو لاکھ چالیس ہزار اموات صرف ایٹم بم سے
کمیونسٹوں کے ہاتھوں مزدوروں اور کاشتکاروں کی ہلاکتیں:		دس کروڑ
ویتنام کی جنگ	:	پانچ لاکھ ہلاکتیں

بوسنیا کوسووو کی لڑائی	:	پانچ لاکھ اموات
عراق پر حملہ	:	بارہ لاکھ اموات
افغانستان پر حملہ میں	:	لاکھوں کی تعداد میں (صحیح اعداد مجھے بھی میسر نہیں)

کیا اب بھی یہ کہیں گے کہ مسلمان جنگجو ہیں؟ مکہ میں کیا کیا ظلم اور زیادتی مسلمانوں کے ساتھ روا نہیں رکھی گئی، لیکن جب مکہ فتح کیا تو مسلمانوں نے کتنے قتل کیے؟ ایک بھی نہیں ماسوائے ان دو چار لوگوں کے جنہوں نے خود تلوار اٹھائی اور جنوب میں ایک مقامی جھڑپ میں مارے گئے۔ فتح کا جھنڈا لہرانے کے بعد کعبۃ اللہ میں بت گرانے کے بعد کیا اعلان فرمایا؟ ہمارے محبوب ﷺ نے فرمایا تھا "جاؤ۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں"۔ یہود و نصاریٰ لا سکتے ہیں کوئی ایک بھی ایسی مثال اپنی تاریخ سے۔ دراصل آج کے معترض جاہلِ مطلق ہیں۔ اپنی حیوانی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ کوئی اعلیٰ مقصد ان لوگوں کے پیشِ نظر ہے ہی نہیں اور ان کی ساری محنت اور تحصیلِ علم بھی صرف جنس اور پیٹ کی بے محابا بھوک مٹانے تک محدود ہے یا پھر عالمی وسائل پر ظالمانہ قبضہ کی تگ و دو تک۔ یہ لوگ نہ تاریخ سے واقف ہیں نہ اُس دور اور اس علاقہ کے کلچر سے۔ ان کے اعتراضات کی کوئی عقلی بنیاد موجود ہی نہیں ہے۔

(۳) تعدد ازواج پر اعتراض:

اسی طرح ان کا پسندیدہ اعتراض حضور اکرم ﷺ کی شادیوں پر ہے۔ پہلے بیان کیے گئے متعدد اعتراضات کے باوجود آپ کی ذاتِ گرامی پر تعدد ازواج کے حوالہ سے آپ کی زندگی میں ایک بھی اعتراض نہیں ہوا۔ اگر یہ اعتراض کوئی وزن رکھتا تو آپ کے جانی دشمن مشرک اور یہود تو یہ اعتراض لے کر شور مچا دیتے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ کے صدیوں بعد تک یہ اعتراض کہیں سے اٹھایا ہی نہیں گیا۔ کیونکہ جو آپؐ کے متعلق کچھ بھی جانتا تھا وہ اس ماحول کے بارے میں بھی شناسا ہوتا تھا۔ آجکل بے خبر اور غیر اہم لوگوں کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ اعتراض گالی گلوچ کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں، تاہم پہلے ان لوگوں کے اکابر کی مثالیں پیش کرتا ہوں: برصغیر کا قدیم ترین مذہب ہندومت ہے۔ اِن کے

رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت کی:		تین بیویاں تھیں
۱۔ پٹ رانی کوشلیا	:	یہ رام چندر جی کی والدہ تھیں
۲۔ رانی سمترا	:	یہ لکشمن جی کی والدہ تھیں
۳۔ رانی کیکئی	:	یہ بھرت جی کی والدہ تھیں

ہندوؤں کے نہایت معتبر راوی لالہ لاجپت رائے کے مطابق، ان کے اولوالعزم اوتار

شری کرشن جی کی	:	۸ بیویاں تھیں۔
راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں	:	کنتی اور ماوری
راجہ شنتن کی دو بیویاں تھیں	:	گنگا اور سیہ وتی
پچھتر ابرج کی بھی دو بیویاں تھیں	:	امبکا اور امبالکا۔ ان کے علاوہ ایک لونڈی بھی تھی۔

اب الہامی مذاہب کے پیغمبرانِ کرام کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں	:	سیدہ سارہ، سیدہ ہاجرہ اور قطورہ خاتون
حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں	:	لیاہ، زلفہ، راخیل (راخل) اور بلہہ
حضرت موسیٰؑ کی چار بیویاں تھیں	:	کوزہ، حبشیہ، بنتِ حباب، اور بنت قینی
حضرت داؤدؑ کی ۹۹ بیویاں تھیں	:	(بعض روایات کے مطابق)
حضرت سلیمانؑ کی بہت زیادہ بیویاں تھیں	:	صحیح تعداد مجھے میسر نہیں ہوئی۔

اسطرح ہزاروں سال سے ہندو، عیسائی اور یہودی مذاہب کے انبیاء کرام کے ہاں بھی تعددِ ازواج کی مثال موجود ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری جوانی، پچیس سے پچاس سال تک کی عمر، خود سے پندرہ سال بڑی خاتون کے ساتھ گزاردی جو آپ سے پہلے دو شوہروں سے بیوہ تھیں اور ان کی اولاد کی ماں تھیں۔ اس دور میں کبھی آپ کے اخلاقِ عالیہ پر انگلی تک نہ اٹھی بلکہ ایک اعلیٰ ترین معیار کا تقدس آپ کی ذات سے وابستہ رہا۔ ساری اولاد سوائے ابراہیم کے حضرت خدیجہ کے بطن ہی سے تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت تین جوان بیٹیاں گھر میں تھیں (ایک کی شادی ہو چکی تھی) تو آپ نے ایک سنجیدہ

بیوہ حضرت سودہؓ کے ساتھ نکاح فرمایا۔ہاں اپنے پیارے ہمدم اور دوست کی دختر، نیک اختر جو نوعمر تھی، جب اس کی تجویز آئی تو قدرے حیرت کے ساتھ اس رشتہ کو قبول فرما کر اپنے عزیز ترین دوست کی دوستی کو مضبوط کیا۔چار برس بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی بلوغت کے بعد مدینہ جا کر ان کی والدہ ان کو حضورؐ کے گھر چھوڑ کر آئیں۔ذرا اس نکاح کی مصلحت پر غور کیجیے۔خواتین کے متعلق کتنی کثیر تعداد میں احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں۔مدینہ جا کر سن ۲ ہجری میں جب دوسرے دوست حضرت عمر بن خطاب کی دختر حفصہ بیوہ ہو گئیں تو کیا آپ کو معلوم ہے ان سے نکاح کیسے ہوا؟ حضرت عمر نے حضرت عثمان و ابو بکر صدیق جیسے دوستوں سے ان کے رشتہ کے لیے ذکر کیا۔حضرت حفصہ طبیعت کی ذرا تیز تھیں۔کچھ عرصہ کوئی پیغام نہ آنے پر حضرت عمر متفکر تھے۔حضرت ابو بکر صدیق نے حضورِ اکرم سے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر کیوں پریشان ہوتا ہے۔میرا پیغام دے دو۔اس طرح یہ چوتھی شادی ہوئی۔عبد اللہ ابنِ جحش آپ کے پھوپھی زاد تھے۔سن ۳ ہجری میں جنگِ احد میں اُن کی شہادت ہوگئی اور اُن کی بیوہ حضرت زینب ام المساکین ۳۰ سال کی عمر میں تنہا رہ گئیں تو آپ نے ان کو نکاح میں لے کر گھر اور سہارا مہیا کیا۔جس کو معلوم ہو کہ عرب معاشرہ میں بیوہ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا، اس کو آسانی سے سمجھ آ جائے گی۔اسی طرح ۳ ھ میں جنگِ احد میں حضرت ابو سلمہ بھی شہید ہو گئے تو ام سلمہ ۲۴ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ایک سال بعد حضور ﷺ نے خود نکاح فرما کر آپ کو سہارا اور عزت بخشی۔حضرت ام سلمہؓ اولین اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھیں اور پہلی ہجرتِ حبشہ میں بھی شامل تھیں۔یہ حضور علیہ السلام کی چھٹی شادی تھی۔اس کے کچھ عرصہ بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا۔حضرت زینب بنت جحش آپ کی پھوپھی زاد، اور قبیلہ قریش سے تھیں۔آپؐ نے خود ان کا نکاح اپنے وفادار غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے کیا تھا۔آپ بے حد حسین و جمیل اور سنجیدہ خاتون تھیں لیکن حضرت زید اگرچہ ایسے سرخ و سفید تھے کہ مدینہ میں لوگ انہیں برف کے رنگ والا کہتے، لیکن وہ حضورؐ کے غلام رہ چکے تھے، اور آپؐ نے اپنی حبشی النسل خاندانی خادمہ حضرت اُمّ ایمن کو بھی آزاد کر کے ان کے عقد میں دے دیا ہوا تھا (جن کے بطن سے مشہور صحابی اسامہ بن زید تولد ہوئے)۔بس ان حالات میں حضرت زینب کا حضرت زید کے ساتھ نباہ نہیں ہوا۔نبیِ اکرمؐ نے ان میں صلح کی بہت کوششیں کیں لیکن جب

ان میں طلاق ہو ہی گئی تو آپ نے اللہ کے حکم سے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس پر شور ضرور اٹھا لیکن یہ نہیں کہ اتنی شادیاں کیوں کرتے ہیں بلکہ یہ اعتراض ہوا کہ اپنے متبنّی کی مطلقہ سے نکاح کیوں کیا۔ عربوں میں یہ رسم نہیں تھی۔ وہ متبنّی کی بیوہ یا مطلقہ کو اپنے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کی طرح حرام سمجھتے تھے۔ اس نکاح میں یہی مصلحت تھی کہ یہ جاہلانہ رسم مٹا دی جائے جو آپ کے خود عمل کرنے سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور اس کی تائید میں جو وحی نازل ہوئی اُسی میں آپ کے آخری نبی ہونے کی بھی تصدیق کی گئی کہ اگر آپ بھی اس غلط رسم کو ختم نہ کرتے تو آپ کے بعد اور کوئی نبی تو آنا نہیں اس طرح یہ رسم تا قیامت چلتی جاتی۔ اس کے بعد سن ۵ ھ میں مسلمان بنو مصطلق پر غالب آئے تو قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی برّہ بیوہ ہو گئیں اور جنگی قیدی بن کر ایک مجاہد کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے اُس مجاہد کے ساتھ مکاتبت طے کر لی اور حضورِ اکرم کے پاس اُسے ادائیگی کرنے کے لیے مالی امداد کی طلبگار ہوئیں۔ حضورؐ نے مکاتبت کی رقم ادا کر کے آپ کو آزاد کروایا، اور ان کی خاندانی نجابت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اسلامی نام جویریہ رکھا۔ یہ نکاح ہو جانے پر مسلمانوں نے ان کے قبیلہ کے سارے ۱۰۰ سے زائد قیدی آزاد کر دیے۔ اس عزت افزائی کا اثر یہ ہوا کہ جس قبیلہ نے مسلمانوں کو زچ کیا ہوا تھا اس نکاح کے بعد یہ قبیلہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوا بلکہ حضرت جویریہؓ کے والد نے خود بھی قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لی۔ اس طرح یہ نکاح بھی عظیم تر ملی مفاد کا باعث بنا۔ اگلے سال سن ۶ ہجری میں بنو قریظہ مغلوب ہوئے تو حضرت ریحانہ بھی جنگی قیدیوں میں شامل ہو کر آئیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر بارہ اوقیہ سونا حق مہر کے عوض ان سے نکاح فرمایا۔ (ان کے نکاح کے قائل صرف دو مورخ ہی ہیں باقی سیرت نگار ان کو باندی ہی سمجھتے ہیں)۔ اسی سال سن ۶ ھ میں حضور کے مکتوب کے جواب میں مصر کے حاکم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھجوایا۔ حضور علیہ السلام کو اللہ نے ان کے بطن سے فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے بڑے شوق سے اپنے جدِ امجد کے نام پر ابراہیم رکھا۔ سن ۶ ہجری میں آپ نے حضرت اُمِّ حبیبہ سے بھی نکاح فرمایا۔ سردارِ قریش اور دشمنِ اسلام ابوسفیان کی یہ بیٹی اولین مسلمانوں میں اور ہجرتِ حبشہ میں شامل تھیں۔ وہاں جا کر ان کا شوہر عبداللہ عیسائی ہو گیا تو انہوں نے عیسائی ہونے سے انکار فرما کر طلاق حاصل کر لی اور بے وطنی کی

حالت میں اپنی کم سن بیٹی حبیبہ کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔ حبشہ کے بادشاہ نے حضورؐ کو ان کے کوائف سے آگاہ کیا تو آپ نے ان کی عزت افزائی اس طرح فرمائی کہ خود نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ اس نکاح کے بعد ابو سفیان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف عملی جارحیت بند ہو گئی اور مسلمانوں کو بالآخر فتح مکہ نصیب ہوئی۔ یہ تھی عظیم مصلحت اس نکاح میں۔ اگلے برس سن ۷ ہجری میں یہود کا قلعہ خیبر جب زیر نگیں ہو گیا تو وہاں کے سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ جنگی قیدی بن کر بطور لونڈی ایک فوجی وحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ لیکن جب صحابہ نے آنجناب کو بتایا کہ یہ تو رئیس خیبر کی صاحبزادی ہیں ایک سردار کی بیوہ ہیں اور عزت افزائی کی مستحق ہیں، تو آپ نے حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لے کر عزت بخشی۔ اب بتائیے کسی کے مرتبہ کا احساس کرنا نجابت و شرافت ہے یا کچھ اور؟ اسی طرح اہلِ نجد نے ۷۰ مسلمان معلمین کو دھوکے سے اپنے علاقہ میں لے جا کر قتل کر دیا تھا اور اس کے علاوہ بھی نقضِ امن اور فساد انگیزی کرتے رہے تھے۔ لیکن جب سن ۷ ہجری میں اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے والی حضرت میمونہ کو طلاق ہو گئی تو حضورؐ نے انہیں اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ حضرت عباس کی سالی تھیں اور ان کی ایک بہن سردار نجد کے نکاح میں بھی تھیں، چنانچہ حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد اہلِ نجد کی طرف سے امن ہو گیا اور اس نکاح نے ملک بھر میں صلح، امن اور اسلام پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔ سب سے بڑھ کر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ عرب میں بیوہ ہو جانے کا مطلب لاوارث ہو جانا تھا۔ دوسرے یہ کہ دامادی کا رشتہ عرب میں بہت ہی احترام کا متقاضی تھا۔ تو یہ تھیں وہ مصلحتیں جن کی خاطر نبی آخر الزمان ﷺ نے سارے نکاح کیے۔ اگر زیادہ نکاح اُس دور میں معیوب ہوتے تو ان کا مثبت اثر ہونے کی بجائے منفی نتائج نکلنا چاہئیں تھے۔ آج جو جاہل اپنی ثقافتی اور تاریخی لاعلمی کی بنا پر اور اپنے ناقص ویلیو سسٹم سے پرکھتے اور الزام دیتے ہیں اُن کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

توہین آمیز کارٹون اور فلم:

یہ فلم کیلیفورنیا کے ایک قصبہ میں مقیم جس ناکام مصری عیسائی تارک وطن سے لکھوائی اور بنوائی گئی، وہ معاشی ناکامیوں کی وجہ سے جیل کاٹ کاٹ کر تنگ آ چکا تھا اور اُسے پیسے کی ضرورت تھی۔ فلم کی تیاری میں پادری

ٹیری جونز نے بھی حصہ لیا جو قرآن حکیم کے نسخے جلا کر مفتی شہرت اور فنڈ زسمیٹ رہا ہے۔اس فلم میں کیے گئے گالی گلوچ کو توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں۔حضورِ اکرم ﷺ کی مبارک ذاتِ گرامی پر اعتراضات تو آپ کی زندگی میں بھی کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی طرف سے کیے جاتے رہے لیکن عربوں کی اخلاقی حالت نے انہیں اِس پستی پر مائل نہ ہونے دیا جس پستی پر یہ کارٹون ساز اور فلم ساز جا گرے ہیں۔ بہرحال ان کی ہرزہ سرائی سے آپ ﷺ کی شان میں کمی نہیں آسکتی۔اللہ کا وعدہ ہے کہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد،

کما صلیت علیٰ ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم۔ انک حمید مجید۔

میں نے اپنی بساطِ علم کے مطابق نبی معصوم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہونے والے اعتراضات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ یہ کوشش قبول فرمائے ،مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہو اور عالمی امن واخوت میں اضافہ ہو سکے۔اہلِ علم و دانش حضرات سے گذارش ہے کہ اس تحریر میں کوئی فروگزاشت پائیں تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ فقط۔

محمد بشیر ہرل۔۵ مارچ ۲۰۱۳ء (0333-6517766)

---------تمت----------